احادیث رسول ﷺ میں بھی نظر بد کے حق ہونے کی بہت ساری دلیلیں موجود ہیں۔امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں تقریباً ستائیس احادیث ذکر کی ہیں۔ان میں سے چند صحیح احادیث ملاحظہ کریں۔

۱۔ ''**العین حق ولو کان شئ سابق القدر سبقته العین ، وإذاا ستغسلتم فاغسلوا**''[مسلم ح: ٥٦٦٦] ''نظر بد کا لگ جانا حق ہے،اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاتی تو وہ نظر بد ہوتی،اور جب تم سے کسی کو (نظر بد کو دور کرنے کے لیے) غسل کرنے کو کہا جائے تو تم ضرور غسل کرنا۔''

۲۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ جب نبی ﷺ بیمار ہوتے تو جبرئیل امین یہ دعا پڑھ کر دم کیا کرتے تھے'' **باسم الله یبریک ، ومن کل داء یشفیک ومن شر حاسد إذا حسد ، وشر کل ذی عین** ''[مسلم ح ٥٦٦٣] ''اللہ کا نام لے کر دم کرتا ہوں) آپ کو شفا ملے ہر بیماری سے، ہر حاسد کے حسد کے شر سے،اور ہر نظر بد والے کے شر سے۔''

۳۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آئے اور پوچھا اے نبی ﷺ کیا آپ بیمار ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں،تو جبرئیل نے ان الفاظ میں دعا فرمائی ''**باسم الله ارقیک من کل شئی یؤذیک ، ومن شر کل نفس او عین حاسد، الله یشفیک ، باسم الله ارقیک** ''[مسلم ح٥٦٦٤] ''اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف پہنچائے ، ہر حاسد نفس اور حاسد نگاہ کے شر سے،اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا فرمائے۔''

۴۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: جعفر کی اولاد بہت جلدی نظر بد کی شکار ہو جاتی ہے۔میں ان کو دم کراؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا''**نعم فإنه لو کان شئ سابق القدر لسبقته العین**'' [ترمذی ح :٢٠٥٩] ''ہاں ضرور دم کرائیں کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاتی تو نظر بد اس سے سبقت لے جاتی۔''

۵۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ انہیں نظر بد سے (شفا کے لیے) دم کروانے کا حکم دیتے تھے۔[بخاری ح: ٥٧٣٨]

بچوں کی تعلیم وتربیت میں والدین کا کردار

محمد ابراہیم (ایم۔اے ایجوکیشن) لاہور

انسانی زندگی کی تکمیل میں والدین اور اساتذہ کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔اس لیے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ بچے کی زندگی سنوارنے میں والدین اور اساتذہ کی حیثیت سائیکل کے دو پہیوں کے مانند ہے۔حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ ذمہ داری والدین پر استاد کے مقابلے میں زیادہ عائد ہوتی ہے، کیونکہ استاد سے زیادہ والدین کو بچوں کے حالات اور معاملات کا علم ہوتا ہے۔اس لیے والدین کو بچوں کی تربیت میں مثالی کردار ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے انہیں خود اپنی حیثیت کے حوالے سے مکمل معلومات ہوں جس پر ان کی ذمہ داریوں کا انحصار ہوتا ہے۔بسا اوقات یہ ذمہ داری والدین استاد پر عائد کرتے ہیں اور استاد والدین پر۔

''بچوں کی تعلیم میں والدین کی شمولیت'' پر ریسرچ کے دوران راقم کو احساس ہوا کہ ہمارے معاشرے میں ایک المیہ یہ ہے کہ والدین بچے کو چار یا ساڑھے چار سال کی عمر میں سکول داخل کروادیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ بچے کی تعلیم وتربیت کی پوری ذمہ داری استاد پر عائد ہوتی ہے۔اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ روزانہ کتنے گھنٹے بچے کی تعلیم وتربیت پر صرف کرتے ہیں؟ تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ ذمہ داری تو ہماری نہیں ہے،ہم بچے کو اس لیے سکول بھیجتے ہیں کہ بچہ وہاں سے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی سیکھ لے،ہم نے بچہ سکول والوں کو دے رکھا ہے،ہماری ذمہ داری صرف فیس ادا کرنا ہے۔اگر بچے کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے کوئی شخص والدین سے شکایت کرے تو وہ اس کا ذمہ دار استاد کو ٹھہراتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ صبح سکول جا کر استاد سے ڈسکس کریں گے۔عام دنوں میں سکول کا منہ بھی نہیں دیکھتے ہیں،جب شکایت آئی تو کہتے ہیں کہ سکول جائیں گے،والدین کا یہ رویہ بچوں اور اساتذہ کے ساتھ ناانصافی ہے۔

دوران ریسرچ یہ المیہ بھی دیکھنے کو ملا کہ بعض باپ بچوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ دار صرف ماں کو تصور کرتے ہیں۔وہ اپنی ذمہ داری کو صرف بچوں کی جسمانی پرورش،کھلانے پلانے اور کمانے تک محدود کردیتا ہے۔ایسے لوگوں پر یہ حقیقت واضح ہونا چاہیے کہ بچے ہی ان کی اصل کمائی اور ان کے مستقبل کا سرمایہ ہیں۔اس کو دو مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔

باپ دو قسم کے ہوتے ہیں:''پہلا باپ'' اپنی مصروفیات میں کمی کر کے بچوں کی تعلیم وتربیت میں اساتذہ اور بیوی کا ہاتھ بٹاتا ہے۔کوئی مسئلہ پیش آئے تو ماہر نفسیات سے مشورہ لیتا ہے۔ہر وقت بچوں پر نگاہ رکھتا ہے۔بچوں کو اعلیٰ تعلیم

دلاتا ہے اور اچھی تربیت بھی کرتا ہے۔ کیونکہ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ اعلیٰ تربیت بھی ضروری ہے۔ اگر اعلیٰ تعلیم ہو اور اچھی تربیت نہ ہو تو یہ تعلیم بے فائدہ ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ بچہ اعلیٰ عہدے پر فائز ہو جاتا ہے اور والدین کے بڑھاپے میں ان کے لیے سہارا بن جاتا ہے، ہر وقت والدین کی خدمت میں رہتا ہے۔ والدین کی ہر خواہش کا احترام کرتا ہے۔

''دوسرا باپ'' اپنی مصروفیات کی وجہ سے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے وقت نہیں نکالتا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑتا ہے۔ بدقسمت باپ کو علم بھی نہیں ہوتا کہ اس کے بچے کس کس کلاس میں پڑھتے ہیں یا کلاسوں کا پتہ ہو تو ان کی کارکردگی کا پتہ نہیں ہوتا۔ کبھی سکول کا رخ کیا نہیں ہوتا۔ اس شخص نے رقم تو بہت اکٹھے کی لیکن یہی رقم بعد میں اس کے لیے عذاب بن گئی۔ جب بچے باپ کی اکٹھی کی ہوئی رقم سے عیاشیاں کرنے لگے تو بوڑھا باپ اپنے کیے پر پچھتانے لگتا ہے: اے کاش! میں نے بچوں کی تعلیم و تربیت اچھی کی ہوتی تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا!! انہی لوگوں کے لیے داناؤں نے کیا خوب کہا تھا ''اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت''

آپ بھی اپنے لیے فیصلہ کریں! وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے، آپ کون سا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں!؟

سولھویں صدی کا ایک ماہر تعلیم روسو اپنی کتاب ''ایمیل'' میں لکھتا ہے: ''جو باپ اولاد کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لے اس کو باپ ماننے کا مطلقاً کوئی حق نہیں۔ ☆ غیر معمولی مصروفیات، دنیا کے تفکرات اور کوئی بھی مشکل حالت باپ کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے فرائض سے سبکدوش نہیں کر سکتی۔ جس دل میں اولاد کا درد ہو وہ باپ اس مقدس فرض کو پس پشت نہیں ڈال سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے تو تمام عمر اپنی اس غلطی پر آنسو بہائے گا اور اس کا ضمیر اسے چین لینے نہیں

☆ یہ تو روسو کی ذاتی رائے ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے تمام رشتے اپنے اسباب یعنی نسب و ولادت، رضاعت یا مناکحت کی بنا پر ثابت ہوتے ہیں۔ ادائیگی حقوق میں کسی قسم کی کوتاہی یا کنجوسی کی بنا پر کسی بھی رشتے کے انکار کی گنجائش نہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ادعوهم لآبائهم هو أقسط عند الله﴾ [الاحزاب: ۵] قرآن و سنت کی رو سے ''شرک'' کی تعلیم و ترغیب سے بڑھ کر تعلیم و تربیت میں کسی کوتاہی اور بدسلوکی کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود والدین سے حسن سلوک کا حکم اس قدر اہم ہے کہ وہ دونوں مل کر توحید پرست اولاد کو شرک پر مجبور کر کے اپنے ساتھ دوزخ میں لے کر جانے کی بھرپور کوشش کریں، پھر بھی اللہ تعالیٰ دنیاوی زندگی میں ان سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے: ﴿وإن جاهداك على أن تشرك بي ما ليس لك به علمٌ فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفا﴾ [لقمان: ۱۵] ہاں جو والدین اپنی اولاد کے تعلیم و تربیت کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہ ہیں، انہیں اپنی دینی، اخلاقی اور معاشرتی ذمہ داریوں کا احساس ضرور کرنا چاہیے۔ روسو کی تحریر اس پر محمول کی جا سکتی ہے۔ (ابو محمد عبدالوہاب خان)

دے گا۔ بلتی محاورہ ہے: رَین چیك دُو کپہ مَشس نا رَین بگیا لونك "ایک دفعہ بیٹھنا نہ آئے تو ہزار دفعہ اٹھنا پڑے گا۔" یعنی کبھی ایک دفعہ کی غلطی ہزار بار بھگتنا پڑتی ہے۔

29 اپریل 2009 کو گلشن اقبال پارک لاہور میں ڈاکٹر غزالہ موسی کی یہ بات بڑی اچھی لگی انہوں نے کہا: "پڑھا لکھا ہونا اور چیز ہے، فہم رکھنا اور چیز۔" اس جملے کو اگر بچوں کی تعلیم و تربیت میں ہمارے عام والدین کے کردار سے جوڑ دیں تو یہ قول ہم پر عیاں ہو جائے گا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں ہم کس حد تک فہم رکھتے ہیں؟ اور کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟

ڈاکٹر صاحبہ کے بعد پروفیسر رفرف نے ایک خوبصورت مثال کے ساتھ اس کی وضاحت کی، ایک ان پڑھ شخص بڑا سمجھ دار اور علم کا قدر دان تھا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا، سکول جا کر اساتذہ سے رابطے میں رہتا اور بچوں کے ہوم ورک کی نگرانی بھی کرتا تھا۔ اس کے بچوں نے میٹرک میں نمایاں پوزیشن حاصل کی اور انٹر میں پہنچ کر انہیں والد صاحب کی ناخواندگی کا پتہ چلا۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ ایک ان پڑھ آدمی بھی بچوں کی تعلیم و تربیت میں کس قدر فہم رکھتا ہے، اس کے مقابلے میں پڑھے لکھے شخص کے بچوں کا ان پڑھ ہونا والدین میں فہم کے فقدان کی غمازی کرتا ہے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت میں چند بنیادی اصول :

ا۔ **روزمرہ کے واقعات سننا:** مثالی والدین ہمیشہ اپنے بچوں کو زیادہ سے زیادہ سننا پسند کریں گے۔ جب والدین بچوں کی باتیں سن رہے ہوتے ہیں تو بچہ فخر محسوس کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میرے والدین مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ اس طرح بچے کے اندر خود اعتمادی اور واقعات کو ترتیب دینے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بچہ مستقبل میں اچھا مقرر اور استاد بن سکتا ہے، بچوں کے اندر خود اعتمادی کا مادہ ہو تو وہ مشکل حالات کا آسانی سے مقابلہ کر سکیں گے۔

ڈیل کرانیگی نے اپنی کتاب "**کامیابی کے راستے**" میں لکھا ہے "جن لوگوں میں خود اعتمادی نہیں ہوتی ان میں یقین پیدا نہیں ہو سکتا، وہ انسان جو اپنی صلاحیتوں پر یقین رکھتا ہے ناکامی کو آخری اور حتمی ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور حصول مقصد کے لیے مسلسل جدوجہد کرتا رہتا ہے۔

بچوں سے روزمرہ کے واقعات اور مسائل سننے سے ایک فائدہ والدین کو یہ بھی ہوگا کہ وہ اپنے بچوں کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔ ان سے ذرا یہ پوچھیں کیا آپ نے ان کو سمجھنے کی کوشش کی ہے؟

اب ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ سکول کے اساتذہ بچوں کے والدین کے لیے کون سی مفید سرگرمیوں کی راہ دکھلاتے ہیں؟

16-4-2009 کو گوجرانوالہ میں ٹیچرنگ آف سائنس کی ورکشاپ کے بعد سکول کے پرنسپل صاحب نے کہا، میرا اصل مقصد والدین کو متحرک کرنا ہے اور اس کے لیے ہم والدین کو مختلف موضوعات پر لیکچر دیتے ہیں۔ مقصود یہ تھا کہ والدین کے لیے مختلف سرگرمیاں پیدا کرنا بھی سکول کی ذمہ داری ہے۔

اس لیے جب بچہ اپنے واقعات اور مسائل آپ کے ساتھ شیئر کر رہے ہوتے ہیں تو بچوں کو مکمل آزادی دی جائے کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ان کی باتیں اچھی نہ لگیں تب بھی غور سے سنیے۔ بچوں کو فوراً گفتگو سے نہ روکا جائے۔ جب وہ اپنی بات پوری کریں تو very good یا fine جیسے اچھے الفاظ سے حوصلہ افزائی کریں، پھر جو باتیں اچھی نہ ہوں چھوڑنے کے لیے کہیں تو وہ فوراً مان جائیں گے۔ اگر کوئی بات آپ کو اچھی نہیں لگی ہو، دورانِ گفتگو آپ بچے کو روک دیں تو اس سے کلام کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور ان کے باغی ہونے کا بھی امکان ہوتا ہے۔

۲۔ وضاحت کے ساتھ تعریف کرنا: والدین کو بچے کے سامنے اس کی واضح تعریف کرنا چاہیے، جب والدین بچے کی تعریف کرتے ہیں تو بچے کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور ہر کام کے لیے تیار رہتا ہے۔ کسی بھی task سے بچہ نہیں گھبراتا۔ عموماً بچہ امتحان میں فیل اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ والدین پہلے ہی بتا دیتے ہیں کہ تو امتحان میں فیل ہوگا، کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ ایسی حوصلہ شکنی سے بیچارہ واقعی فیل ہوگا۔ اگر ہم کہیں کہ آپ کامیاب ہوں گے تو وہ واقعی کامیاب ہوگا۔

''احمد اچھا لڑکا ہے'' یہ اس کی مختصر ترین تعریف ہے۔ اور ''احمد پانچوں نمازیں باجماعت پڑھتا ہے، قرآن مجید کی باقاعدہ تلاوت کرتا ہے، گھر میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرتا ہے، بڑوں کا ادب کرتا ہے اور چھوٹوں سے پیار کرتا ہے۔'' یہ وضاحت کے ساتھ تعریف ہوگی۔

نبی کریم ﷺ بھی اپنے اصحاب اور اہل بیت کی تعریف کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے فرمایا: ''آپ لوگ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔'' مہمان کے سامنے بچے کی تعریف کی جائے تو اس کا اعتماد بڑھ جائے گا۔ حدیث میں آتا ہے ''اگر تم پر کسی نے احسان کیا ہے تو اس کا بدلہ دو، اگر بدلہ نہیں دے سکو تو اس کے لیے دعا کرو۔'' [ابوداود کتاب الادب باب ۱۰۸] اگر تعریف نہیں کی تو ہم نے کفرانِ نعمت کیا۔

۳۔ بچوں کو دوست بنانا: مثالی والدین اپنے بچوں کے ساتھ شرعی حدود میں رہ کر دوستی کرتے ہیں۔ دوستی کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ ان کے ساتھ فلم دیکھیں۔ بلکہ آپ بچوں کو ایسی گندی محفلوں سے دور رکھنے کے لیے دوستی

کریں۔ بعض لوگ تو اپنے بچوں کے سوالات کا جواب اشاروں میں دیتے ہیں۔ جب وہ اشارہ نہیں سمجھتے تو دوبارہ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ایسے بچے کبھی کھل کر کسی سے بات نہیں کر سکتے اور ان پر ہمیشہ خوف طاری رہتا ہے۔ وہ احساس کمتری کے شکار رہتے ہیں۔ ایسے والدین سن لیں کہ اگر آپ بچوں سے دوستی نہیں کریں گے تو وہ معاشرے کے بدتر لوگوں کو ہی اپنا دوست بنائیں گے، جس سے مسئلہ اور سنگین ہوگا۔ جو لوگ اپنے بچوں کے ساتھ فلمیں دیکھتے ہیں وہ بھی بچوں سے بہت برا سلوک کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسی دوستی کا کیا فائدہ جس میں والدین اور بچے میں فرق نظر نہ آئے؟! ایسی محفلوں میں ایک دوسرے کی عزت کی بھی پروا نہیں کرتے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ بچے سے دوستی میں شرعی حدود کو ملحوظ رکھا جائے۔ جب آپ شرعی احکامات کے مطابق بچے سے روابط رکھیں گے تو سارے مسائل حل ہوں گے۔

۴۔ بچوں سے مشورہ لینا: ہمارے نبی ﷺ کو جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو صحابہ کرام سے مشورہ ضرور کیا کرتے اور ان کے مشوروں کا احترام کرتے۔

بچہ بہتر جانتا ہے کہ مجھے کس چیز کی ضرورت ہے اور کس چیز کی ضرورت نہیں، مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ہمارے معاشرے میں والدین بچے سے بالکل مشورہ نہیں لیتے اور جس سمت میں والدین interest ہوں بچوں کو اسی سمت پر لگا دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچہ کامیاب نہیں ہوتا جس کی بنیادی وجہ سمت کا تعین کرتے وقت بچے کی رائے کو پس پشت ڈالنا ہے۔

۵۔ بچے کو غلطی کرنے دینا: انسان اس وقت تک نہیں سیکھتا جب تک وہ غلطی نہیں کرتا۔ کوئی شخص دنیا میں ماں کے پیٹ سے سیکھ کر نہیں آتا۔ بچوں کو چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر مارنے کا رویہ بچے کو کامیابی سے دور لے جاتا ہے۔ جب آپ بچے کو چھوٹی سی غلطی پر سزا دیں تو اگلی دفعہ بچہ کوئی کام ہی نہیں کر سکتا اور اسے خوف ہوتا ہے کہ مجھے سزا ملے گی۔ اس طرح اس کی learning رک جائے گی۔ بلکہ اگر بچہ غلطی کرے تب بھی والدین بچے کی محنت کی حوصلہ افزائی کریں اور یہ بھی کہیں کہ اگلی دفعہ یہ غلطی نہ کرنا اور یہ آپ کی اچھی کوشش ہے، مجھے امید ہے کہ آئندہ آپ اس سے بھی بہتر انداز میں پیش کریں گے۔ اس لیے والدین بچے کو learning کے دوران غلطی کرنے دیں۔ اپنی غلطیوں سے ہی بچہ سیکھے گا۔

۶۔ رول پلے کرنا: کسی نے کیا خوب کہا (Action speaks louder than words) بچہ اچھائی بھی والدین سے سیکھتا ہے اور برائی بھی۔ اس لیے کسی نے کہا تھا ''والدین بدل جائیں تو بچے بھی بدل جاتے ہیں''